آن"

وہ دونوں جہاں تھے وہیں رُک گئے۔

"اور تم لوگ میری دستک کے جواب میں کہتے تھے کہ دستک دیتے جاؤ اندر نہیں آ سکتے... میں اندر نہیں آ سکتا —"

مشاہد نے مڑ کر ریکارڈ پلیئر کی طرف دیکھا۔ بابو نے آگے بڑھ کر اُسے دیا.. "جی آپ کون ہیں؟"

"میں... میں اس فلیٹ کا مالک ہوں جسے تم کہہ رہے ہو کہ دستک دو اور...." وہ آگے آیا اور مزید جھک کر ایک ایک شے کو غور سے دیکھنے لگا — "آہ وہ قالین پر جھک گیا "سگرٹ کی راکھ میرے کاشان قالین پر..." وارڈ روب کی سطح نے عینک اُتار کر تقریباً اپنی موٹی ناک سے چھُوتے ہوئے دیکھا "آہ — اس پر بھی خراشیں ہیں —" پھر وہ بستر کی جانب آیا اُسے کچھ دیر کے لیے غور سے دیکھا "تم ہاتھی لوٹتے رہے ہیں —"

اِس انسپیکشن کے دوران بابو اور مشاہد مجُرموں کی طرح ایک کونے میں کھڑے اسے دیکھتے رہے۔

"میری خواہش نہیں تھی کہ میں یہ کمرہ... بلیکیز... آ... غیرملکیوں کو کرائے پر دوں کیونکہ تم لوگ... بس لاپرواہ ہوتے ہو۔ لیکن گولڈی جب نشے میں ہوتی ہے تو ہر قسم کی احمقانہ حرکتیں کر گذرتی ہے.. اور یہ اُن میں سے ایک ہے.. اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو آئندہ تم نے میری دستک پر یہ نہیں کہنا کہ، کیپ آن ناکنگ بٹ یُو کینٹ کم اِن... اور وہ بھی گا گا کر... اور اگر تم واقعی یہاں رہنا چاہتے ہو تو — نو میوزک — کوئی شور نہیں ہو گا۔ فرش لکڑی کا ہے اس لیے صرف جرابوں کے ساتھ اس پر چلو گے شوز کے ساتھ نہیں۔ میرا تمام فرنیچر، میزیں، بیڈ، کھڑکیاں، وارڈروب وغیرہ تازہ پالش شدہ ہیں اگر ان پر کہیں بھی سکریچ نظر آیا تو — آؤٹ یُو گو — اپنے ناخن ابھی سے کاٹ لو... سویٹ ڈریمز" وہ جانے لگا اور اطمینان کے دو سانس ابھی حلق سے ذرا اوپر آئے تھے کہ وہ پھر رُکا اور بابو کے سینے پر اُنگلی رکھ کر کہنے لگا "اینڈ — نو گرلز۔"

وہ چلا گیا تو اس کی دہشت نے اُنہیں کچھ دیر خاموش رکھا پھر بابو نے زرا کچکچاتے ہوئے غصے سے اپنا سگرٹ قالین پر پھینکا اور اُسے بوٹ سے مسل دیا "یہ کیا

بھن کو.....''

''ایزی بابو بوائے — '' مشاہد نے اس کے کندھے کو تھپکا ''مجھے معلوم تھا کہ یہ لگتا اچھا ہے کہ سچ نہیں ہو سکتا — '' اُس نے، اِٹس ٹو گڈ ٹو بی ٹرو... کا ترجمہ کیا تھا۔

ابھی جہاں زندگی کی حرکت تھی وہاں موت کی مردنی چھا گئی اور کمرے کی چھت پر کسی مقبرے کے تاریک گنبد کا گمان ہونے لگا۔

فرائیڈ مچھلی۔ سفید ساس، آرٹی چوکس، وینو بلانکا اور نیور آن سنڈے کا مزہ کرکرا ہو گیا۔

وہ دونوں شکست خوردہ سپاہیوں کی طرح بالکل ہی بجھ گئے تھے۔

''مشیل — ''

بہت دیر کے بعد بابو کی آواز اندھیرے میں سفر کرتی مشاہد کے پاس آئی۔ اتنی دیر کے بعد کہ وہ اب اس خیال میں تھا کہ بیڈ لیمپ آف کرنے کے بعد اسے گہری نیند میں گئے ہوئے ایک مدت بیت گئی ہو گی۔ اگرچہ وہ خود نیند کی تاریک فراموشی کی دہلیز پر تھا لیکن وہاں سے پلٹتے ہوئے وہ خبر رکھتا تھا کہ بابو جو بہت دیر سے کروٹ بھی نہیں لیتا تھا، سویا نہیں تھا بلکہ اِس ''مشیل'' کے بعد جو اس نے کہنا تھا وہ ذہن میں دوہرا رہا تھا۔

''تم نے بالکل کچھ نہیں کہا — ''

''کس کے بارے میں؟'' اگرچہ وہ جانتا تھا کہ کس کے بارے میں۔

''فاطمہ — '' بابو نے جیسے ایک نام نہ لیا سسکی بھری اور مشاہد کو اس سسکی سے اندازہ ہوا کہ وہ بہت دور جا چکا ہے اور اُسے — مشاہد علی کو اُسے واپس لانا ہے۔

''تم کیا چاہتے ہو بابو — '' اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ کا بٹن دبا دیا — اتنے بڑے کمرے میں صرف ایک بلب کی روشنی نے چیزوں کو پہچان دی اُنہیں واضح نہیں کیا... آلتی پالتی مارے بستر پر بیٹھا تھا جیسے بینجو بجانے لگا ہو اور اس کی جانب آنکھیں جھپکے بغیر دیکھے جا رہا تھا۔

''بابا مجھے کچھ تو بتاؤ — ادھر مجھے بتانے والا کوئی نہیں — میں اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں — ''

''اور وہ — ''

''اُسے تو میں نے ابھی کچھ نہیں کہا۔ لیکن ووئی آرا اِن لَو مشیل — ''

"فاطمہ سے پیشتر تم کتنی لڑکیوں کی مُحبت میں مبتلا ہو چکے ہو بابو بوائے؟"

"نہیں یار —" وہ اُٹھ کر اس کے پلنگ کی پائنتی پر آ بیٹھا "یہ بہت بولڈ بابا.... ہلا گلا نہیں ہے۔ ادھر صرف تم ہو جس کے ساتھ میں پرائیویٹ معاملہ پر بات کر ہوں —"

"لیکن وہ تو مسلمان ہے —"

"ہاں ہے —"

"تو؟"

"تو کیا؟ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے.. مجھے یقین ہے وہ میرے لیے ہندو ہو گی۔"

"نہیں ہو گی —" اِس، نہیں ہو گی، میں ایک خاص درشتگی تھی جو بابو تک پہنچی۔

"تو بابا میں مسلم ہو جاؤں گا کیا فرق پڑتا ہے —"

"تمہارے ماں باپ اُسے پسند نہیں کریں گے — اور تمہارے باپو جب تم خط لکھتے ہیں تو یہی لکھتے ہیں کہ... ماس نہ کھانے کے علاوہ — بابو ادھر میم کے ساتھ نہ بنا لے —"

"فاطمہ میم تو نہیں ہے بابا —"

مشاہد نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ خود کبھی بھی فاطمہ کی شکل سے یا بدن سے نہیں ہوا تھا... اور اندر اس کے اندر جو کیڑے اس کے ماس میں کرابل کرابل رینگتے اُسے کھاتے تھے وہ حسد کے تھے۔ جیسے وہ بخار کی تپش میں ہو، اُس سے ٹھیک طرح سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔ وہ بابو سے یا بابو اُس سے کبھی کوئی رومانس، کوئی حادثہ یا دوسرا چھپاتا نہیں تھا۔ انہیں ایک دوسرے کے تمام رابطوں، بینک اکاؤنٹس اور کا علم تھا — تو پھر آناً فاناً — ایک میجک ٹرک کی طرح یہ فاطمہ ایک سمر سنڈے کی دریائے ٹرینٹ کے کنارے سفید بنچ پر کہاں سے آ کر بیٹھ گئی....

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا —"

"فاطمہ نہیں چاہتی تھی —"

تو اسے بھی علم تھا کہ یہ شخص... اس ارینج منٹ سے ناخوش ہو سکتا ہے؟

"وہ تو تم سے ملنا بھی نہیں چاہتی تھی ——"

"کیوں؟"

"میرا خیال ہے وہ شائی ہے ——" بابو کے لہجے میں اتنا پیار تھا کہ ایک لحظے کے لیے مشاہد بھی پگھل گیا "وہ ایک مشرقی لڑکی ہے بابا"

"یہ تمہارا فیصلہ ہے —— میں کیا کہہ سکتا ہوں" اس نے اپنے آپ کو نارمل کرنے کے لیے ایک اور گہرا سانس لیا "اگر تم اس سے محبت کرتے ہو تو بس کرتے ہو، اس میں میرا مشورہ کس کام کا ——"

بابو کے چہرے پر جیسے کسی نے بلیڈ سے ایک زخم لگایا ہو —— اس کی جلد سکڑی اور آنکھیں اذیت برداشت کرنے کی کوشش میں بھنچ گئیں "مجھے تمہارا مشورہ چاہئے مشیل ——میں ابھی تم سے دو سال چھوٹا ہوں اور میرا دماغ بہت زیادہ کام نہیں کر رہا... تم بتاؤ... پلیز میری ہیلپ کرو... تم دوست ہو، تم بتاؤ——"

"وہ اتنی شائی نہیں جتنا تمہارا خیال ہے ——"

بابو نے پپوٹے اٹھا کر اسے یکدم گھورا۔ ایک نفرت کے قریب کی پرچھائیں اس کے چہرے پر آئی اور گذر گئی... اس کی غلافی آنکھوں میں کبوتر ذبح ہو رہے تھے، ان سے خون ٹپکنے کو تھا۔ اس نے اپنے سر کو متعدد بار جھٹکا اور پھر اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے ایک سگرٹ سلگایا اور چھت کو گھورنے لگا "وہاٹ ڈُویُو مین؟"

مشاہد سر جھکائے چپ بیٹھا رہا...

بلند چھتوں والے کمروں میں شائد خاموشی زیادہ دیر ٹھہرتی ہے۔

بابو نے ایک طویل کش لیا، سگرٹ کو قالین پر پھینک کر اسے بہت دیر تک مسلتا رہا اور پھر ایک اور سگرٹ سلگا لیا "تم کہنا کیا چاہتے ہو مشیل؟"

"میں اُسے ایک عرصے سے واچ کر رہا ہوں۔ اُس کا تجربہ جوائے سے کم نہیں"

بابو کی اُنگلیاں اتنی بے اختیاری سے لرزیں کہ اُسے کوشش کر کے سگرٹ سنبھالنا پڑا "آر یُو شُور؟"

"ہاں ——" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا "آئی ایم شُور —— میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن... شائد یہ... میرا ذاتی تجربہ بھی ہو" —— اور جونہی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے اُسی لمحے مشاہد اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ اسے اپنا آپ بے حد ننگا اور ذلیل

لگا۔ اس میں حقیقت نہ تھی اور اور وہ اپنی حماقت میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اگر فقرہ نہ بھی کہتا تو شائد بابو وہی فیصلہ کرتا۔

ٹیبل لیمپ آف ہو گیا۔

کمرے کی بلند چھت کسی مقبرے کے گنبد کی طرح تاریک اور اتھاہ نظر لگی۔

کاغذ کا پرندہ تہہ خانے کے روشن دان کے سامنے جھول رہا ہے۔
وہ جھولتا اس لیے ہے کہ ہیٹر کی حدت اس رہائشی تہہ خانے کی ہوا کو گرم کرتی ہے تو وہ اوپر اٹھتی ہے اور وہاں جہاں روشن دان ہے وہاں تک اُٹھتی ہے اور وہاں کترن سے ساختہ سفید چونچ دار پرندے کے سکوت کو ہلکورے دیتی ہے...
یہ کاغذی پرندہ ایک عرصے سے مشاہد کے ذہن میں جھول رہا ہے۔

ہوزری کی مشینیں چلتی ہیں تو اُن کی سوئیوں میں سے ایک خاص مشینی غنائیت سنائی دیتی ہے۔ اُن کا شور ذہن پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ کہیں ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں وہ دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے... اور بدن کے اندر اداسی اور بے مقصدیت کے تانے بانے سے بننگ شروع ہو جاتی ہے اور اس کا End Result ہمیشہ نامعلوم رہتا ہے...
بننگ ہال میں کبھی کسی طالب علم کی کھانسی اس غنائیت کو بے سُرا کر دیتی۔
اُون کے ریشے اور ذرّے فضا کو بھر دیتے ہیں اور جہاں جہاں سے دھوپ کی کوئی لکیر بلند کھڑکیوں کے شیشوں میں سے یا کوئی روشن غیر مرئی شہتیر اندر آتا تھا وہاں اُس ہوا کا ایک ایک ریشہ الگ الگ زندہ ہوتا تھا اور ایک ایک ذرّہ اپنی پہچان کرواتا غیر محسوس آہستگی سے اوپر اُٹھتا دکھائی دیتا تھا۔ ہوزری کی مشینیں جرابوں، بنیانوں، سویٹروں اور زیر جامہ ملبوسات کو جنم دے رہی تھیں اور اُن پر وہ ڈیزائن اُبھر رہے تھے جو مشاہد نے ایک ماہ کی عرق ریزی سے تخلیق کیے تھے، گراف پیپر پر ڈیزائن بنا کر پھر مشینوں کی سوئیوں کو نقشے کے مطابق ترتیب دیا تھا... نتائج خاصے اطمینان بخش تھے۔ اس کے رنگوں کا چناؤ بھی تخلیقی تناسب میں تھا... اکثر اوقات ڈیزائن کی میز پر جو ڈیزائن پُرکشش لگتے ہیں اور بہار دیتے ہیں وہ فنشڈ پروڈکٹ میں ذَل ہو جاتے ہیں اور خزاں کا تاثر دینے لگتے ہیں...
یہ پروجیکٹ اس کے فائنل رزلٹ پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔

اُون کے ذرّوں کی وجہ سے اس کا گلا بھی خشک ہونے لگا۔ وہ کھانستا تو امبرتو اس کے پاس آ گیا۔ اُس کے گھنگھریالے بالوں پر بھی اُون کے ذرّوں کی ایک باریک تہہ تھی۔

"پیپر منٹ؟"

"تھینکس —" اس نے شکر گزار ہو کر پیپر منٹ کی گولی منہ میں رکھ لی۔

"ہا — مشیل تم نے میرے ڈیزائن کردہ انڈرویئر دیکھے ہیں — لولی —" اطالوی یہودی کی ناک پر بھی کیونکہ وہ ایک بڑی یہودی ناک تھی اُون کے ریشے اُتر رہے تھے۔

"ہاں — نہایت پر فریب قسم کے ڈیزائن ہیں — لولی —"

"شکریہ... یہ ایک کامپلیمنٹ ہے — انڈرویئر خاص طور پر خواتین کے پُرفریب ہونے چاہئیں —"

اور وہاں ایک پُرفریب خرگوش بنا ہوا تھا جس کے لمبے کانوں کے درمیان ایک درمیان تھا۔

کرشین بھی اُس کاغذی پرندے کو تکتی رہتی تھی۔

"میں تمھیں بتاتا ہوں کہ ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد میں تل ابیب میں ایک ہوزری یونٹ لگاؤں گا... صرف لیڈیز انڈرویئر — سپیشلی فار ایرب وومن... بگ بگ انڈرویئر —"

"یہودی عورتوں کے لیے کیوں نہیں۔ وہ بھی تو بگ بگ انڈرویئر"

"یاہ —" امبرتو نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر اُون کے ریشوں کو جھٹکا "میں جب بھی تم سے بات کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں کہ تم آدھے عرب ہو، پتہ نہیں کیوں۔ حالانکہ عرب تم پاکستانیوں کو شٹ سمجھتے ہیں۔ یُو نو ڈرٹی شٹ —"

"آئی ڈونٹ مائنڈ —" مشاہد نے مسکرا کر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا "لیکن آج سے تین سال پہلے جس طرح فرانس، برطانیہ اور اسرائیل نے اپنی سو کالڈ فتح کے باوجود مصر کے ہاتھوں جو رسوائی سہی تھی وہ بہت شرمناک تھی — اب سویز کنال کس کے پاس ہے امبرتو؟"

"اگلی صدی اسرائیل کی ہے مشیل — اور ایک دن آئے گا کہ عرب اور تمھارا پاکستان بھی اسرائیل کے پاس آئیں گے... جھکے ہوئے... مارک مائی ورڈ —"

"تنیور ـــ" مشیل نے کہا اور اُسی لمحے اس کی توجہ تیسری مشین کی جانب گئی جہاں تینوں سوئیاں بند ہو چکی تھیں اور سویٹر کے درمیان میں ایک خالی دھاری سی چل رہی تھی اور ڈیزائن کا ستیاناس کر رہی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر مشین بند کی اور تینوں سوئیوں کے مُنہ کھول کر انہیں سیٹ کیا اور اُسے پھر سے آن کر دیا.. اُس کی کھٹ کھٹ آواز ایک ہموار تال پر سنائی دینے لگی۔

اُون کے ریشے، ذرّے، جیسے سردیوں کی صبح میں لاہور کی سرکلر روڈ پر خاکروب جھاڑو دیتے ہوئے صرف یہ اہتمام کرتے ہیں کہ گندگی، مٹی اور گھوڑوں کی خشک لید کو جھاڑو سے شیک کر کے فضا میں اُڑا دیا جائے اور پہلی زرد دھوپ میں مٹی اور خشک لید کے ذرّے الگ الگ معلق نظر آنے لگتے ہیں اور آپ اگر اس غبار میں سے گذرتے ہیں تو سانس روک کر تیزی سے گذر جاتے ہیں ـــ یہاں نوٹنگھم ٹیکنیکل کالج کے ہوزری سیکشن میں بھی یہی گمان ہوتا تھا کہ لاہوری خاکروبوں کا گذر ہو چکا ہے۔ روزانہ پینتالیس منٹ کا ایک پیریڈ اِس غبار میں... پچھلے تین برس سے... اگر روزانہ دس گھنٹے کا ایک ایسا پیریڈ ہو جو آئندہ ملازمت کے دوران کسی بھی ہوزری فیکٹری میں ہو گا اور یہ پیریڈ تین برس نہیں زندگی کے اختتام تک چلے ـــ تو وہ زندگی کیسی ہو گی ـــ روزانہ دس گھنٹے کے غبار میں... کاغذ کے پرندے کا بھی دم گھُٹ جائے..

اور کاغذ کا پرندہ تہہ خانے کے روشندان کے سامنے جھول رہا ہے۔

گولڈی کے ہاں اُس رات کے بعد بابو نے فاطمہ کا کبھی کوئی تذکرہ نہ کیا...

وہ پہلے کی مانند بے فکرا اور لاپرواہ دکھائی دیتا اور بینجو بجاتے ہوئے اس کے مُنہ میں لٹکے ہوئے سگرٹ سے اب بھی راکھ کاشان قالین پر گرتی چلی جاتی... لیکن ان دونوں کے درمیان ایک اجتناب آ گیا تھا... بے ساختگی میں کہیں کہیں ساخت کا پہلو آ جاتا اور وہ یکدم ایک دوسرے کی جانب چور نظروں سے دیکھنے لگتے اور پھر بے وجہ ہنسنے لگتے...

گولڈی کے ہاں اُن کا متوقع خوشگوار قیام ایک عذاب ثابت ہوا۔ اس کا جھکا ہوا بوڑھا خاوند کسی وقت بھی دستک دیئے بغیر کمرے میں داخل ہو سکتا تھا اور اندر آنے پر وہ اُن کی جانب دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا، صرف ناک اُونچی کر کے کچھ سونگھتا، اپنے بڑے اور کھلے ہیٹ کو تھامے وہ کسی میز، کسی الماری کی جانب دوڑتا جاتا جھک کر اس کا معائنہ کرتا

اور اُسی میز یا الماری سے مخاطب ہو کر کہتا "سکریچز — پالش شدہ سطح پر خراش
تمہارے ناخنوں کے — اپنے ناخن دکھاؤ — " اور وہ دونوں قیدیوں کی طرح
اطاعت سے اپنے ہاتھ آگے کر دیتے — گولڈی نے اس اولین ڈنر کے بعد اگلے
پانچ روز میں صرف ایک ٹیونا سینڈوچ سَرو کیا تھا ورنہ وہ ہمیشہ سر درد کا بہانہ کرتی یا
وقت دستک دینے کے باوجود اپنے کمرے سے باہر نہ نکلتی... انہیں اکثر بھوکا سونا پڑتا
شائد یہ سب کچھ بھی وہ سہہ جاتے لیکن وہ نصف شب کے بعد اُٹھ کر روتی بھی بہت
اس کا خاوند قابل فہم طور پر سخت گیر تھا اور وہ اسے ایک حد سے زیادہ پینے نہیں
چنانچہ وہ جن کی بوتل گلے سے لگائے کمرے سے نکل کر راہداری میں آ بیٹھتی اور
مکمل طور پر حواس باختہ اور مخمور ہو جاتی تو غرارے کرتی غراتی ہوئی سرگوشیوں میں ا
آپ سے باتیں کرنے لگتی... ایک بھدّی اور بیٹھی ہوئی آواز اُن کے کمبلوں کے اندر
مسلسل آتی رہتی اور وہ بے آرام کروٹیں بدلتے رات گذارتے.... نیند میں اُترتے ہ
اس کی سرگوشیاں کسی بلی کے رونے کی آواز میں بدل جاتیں اور پھر وہ میاؤں میاؤں
اُن کے خوابوں میں سنائی دینے لگتے... یہ مسلسل اذیت اور مصیبت کے دن تھے۔ اُ
وہ گولڈی کو وسیع القلبی کا بیوقوفانہ مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ماہ کا کرایہ ایڈوانس کے طو
ادا کر چکے تھے لیکن اُن کی برداشت ایک ہفتے میں ہی جواب دے گئی — انہوں نے
سے شفٹ کر جانے کا ارادہ کر لیا۔

"کالج کی سٹوڈنٹ ویل فیئر آفیسر مسز کالنز سے رابطہ کرتے ہیں۔ اُن کے
مناسب اور آزمودہ لینڈ لیڈیز کی ایک فہرست ہمہ وقت موجود رہتی ہے — کیا
ہے؟"

بابو لب بھینچے کچھ دیر چھت کو تکتا رہا پھر اُس نے سگرٹ سلگایا اور خصوصی
کے طور کاشان قالین پر راکھ جھاڑ کر کہنے لگا "جب میں بینجو بجاتا ہوں تو تمہاری پڑھائی
بہت حرج ہوتا ہے — " اُس نے اس کے سوا کچھ اور کہنا مناسب خیال نہ کیا اور
روب میں سے اپنے کپڑے نکال کر اُنہیں تہہ کرنے لگا۔

وہ اپنا سامان اُٹھا کر کمرے سے باہر آنے لگے تو بابو رُکا۔ اس نے جلتا ہوا
قالین پر پھینکا اور اُسے تب تک نہ مسلا جب تک کہ اُون کے جلنے کی بُو اُن کے نتھنوں
نہ آئی۔ پھر اُس نے ایک جیبی چاقو نکال کر اُس کا پھل سیدھا کیا اور وارڈ روب کے

گہرا گھاؤ لگایا "سوری مسٹر گولڈی میں نے آج صبح اپنے ناخن نہیں کاٹے تھے۔"
اس کے بعد تین ماہ تک وہ ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل رہے... یہ اتفاق ہو سکتا تھا... اور اگر یہ احتیاط تھی تو مشاہد کی طرف سے نہ تھی۔

وہ کبھی ایک جانب کسی ایک کنارے پر ٹھہرنے کا فیصلہ کرنے کا اہل نہ ہو سکا
جھجک اس کی خصلت میں شامل تھی۔ اس کی شخصیت میں چودہری اللہ داد کا رنگ
گوڑھا تھا۔ وہ بھی اپنی زندگی کسی واضح اور سوچی سمجھی متعین منصوبہ بندی کے تحت
گزارتے تھے۔ وہ لاپرواہ تو نہیں تھے لیکن زندگی کا رجسٹر ایک اکاؤنٹنٹ کی طرح جمع تا
کی غلطیوں سے مبرّا برقرار رکھنے پر بھی قادر نہیں تھے۔ چنانچہ بہار کی چھٹیوں میں ا
کھلا کہ یہ اس کی تعلیم کا آخری سال ہے اور وہ اس موڑ پر ہے جہاں اسے بہرصورت
آئندہ زندگی کے راستے کا تعین کرنا ہے.... انہی دنوں بیشتر دوسرے لڑکوں کی طرح اس
بھی اپنے قیام کو بنیاد بنا کر بڑی آسانی سے برطانوی پاسپورٹ حاصل کر لیا۔ ایک خط
اس نے سرسری طور پر تذکرہ کر دیا کہ آج کی ڈاک میں آپ کے خط کے علاوہ برٹش
آفس سے.... اور اُدھر سے فوری طور پر چودہری اللہ داد کی خصلت میں جتنا غصہ تھا او
بہت زیادہ نہ تھا بروئے کار لا کر ایک سرزنش کی تحریر اس کے نام آئی۔ برخوردار
— مجھے بے حد قلق ہوا ہے کہ تم نے برطانیہ کی شہریت اختیار کر لی ہے — پاکستان
ہمارا پاکستان — تحریک پاکستان۔ تم اپنے آپ کو بھول رہے ہو — کیا تم چودہری اللہ
کے بڑے بیٹے نہیں ہو... اگر ہو تو صرف پاکستانی ہو۔

اس نے ایک معذرت بھری چٹھی کے ساتھ — چند ناگزیر وجوہات کی
برطانوی شہریت... اس لئے... برٹش ہوم آفس کو اپنا برطانوی پاسپورٹ لوٹا دیا... ان
ابھی دوہری شہریت کا قانون لاگو نہیں ہوا تھا۔

تو پھر اس نے زندگی میں کیا کرنا ہے؟ برطانیہ میں کسی حد تک ایک واضح متمول
روشن مستقبل تھا۔ اس کا طرز زندگی انگلستان میں طویل قیام کی وجہ سے مغربی اقدار
قریب ہو چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو یہاں آرامدہ محسوس کرتا تھا.... لیکن پاکستان
چودہری اللہ داد تھے۔ اور وہاں کہیں بوریوالہ۔ فیصل آباد یا گوجرانوالہ میں کوئی

ہوزری فیکٹری اپنے اُون اور سُوت کے غبار سمیت دس گھنٹے کے روزانہ پیریڈ کے ساتھ اس کی منتظر تھی... اگر اسے ملازمت مل جائے تو... کیونکہ ٹیکسٹائل کے شعبے میں ان دنوں ہوزری کی نسبت ویونگ اور سپننگ زیادہ اہمیت اختیار کر چکی تھی اور غیر ملکی سند رکھنے والے باآسانی ویونگ یا سپننگ ماسٹرز کی ملازمت حاصل کر لیتے تھے اور تنخواہ خاصی معقول ہوتی تھی جب کہ ہوزری میں ملازمت کی نسبت ذاتی کاروبار کے مواقع بہتر تھے۔

سپرنگ ویکیشنز میں ہی وہ اس کاغذی پرندے سے آشنا ہوا جو تہہ خانے کے روشن دان کے آگے ہلکورے لیتا رہتا تھا۔

"کیا تمہیں میرا پیپر برڈ پسند ہے —" — کرسٹین کی اُنگلیاں کسی جھیل پر اترتے مارس کی ٹانگوں کی طرح پیانو کیز کو کبھی یہاں کبھی وہاں چھوتی اختتام تک پہنچ گئیں اور آخری کیز پر تھوڑی دیر دباؤ ڈالنے کے بعد جیسے پھر پرواز کرنے کو انھیں اور ہوا میں معلق ہو گئیں۔ اس کی اُنگلیوں کی طرح اس کی ٹانگیں بھی خاصی لامبی تھیں کیونکہ وہ ایک لمبی لڑکی تھی۔

اور جب اس کی انگلیاں ہوا میں اٹھ کر عین اس کی ناک کی سیدھ میں ٹھہر گئیں تو انہیں وہیں ساکت کئے ہوئے اس نے پلٹ کر فوم کے دبیز گدے پر سر کے نیچے بازو کا تکیہ رکھے اپنی آخری جمائی روکتے مشاہد سے پوچھا — کیا تمہیں میرا پیپر برڈ پسند ہے؟

مشاہد مسلسل اُسی پیپر برڈ کو ہی دیکھے جا رہا تھا جو بند روشن دان کے چار اندھے شیشوں کے آگے نہ دکھائی دینے والے سفید دھاگے سے بندھا ایک بے ربط پینڈولم کی طرح جھول رہا تھا — پیانو کے کچھ نوٹس ایسے بھی آئے جب وہ پرندہ انہیں اپنی پوری توجہ دینے کی خاطر بالکل ساکت ہو جاتا۔ ایسے ہی دکھائی دیا تھا۔

تہہ خانے کی چوتھی آرائش گرینڈ پیانو، فوم کے گدے اور پیپر برڈ کے علاوہ ایک ویسٹ پیپر باسکٹ تھی جو نیلے کاغذ سے ہی بنائی گئی تھی۔ اور اس میں متعدد تڑے مڑے لب بھی کسی حد تک گیلے کاغذ کے پرندے پڑے تھے۔ یہ کرسٹین کا خبط تھے، سودا تھے۔

اور یہی نہیں اس کے اور بھی خبط تھے۔

جب وہ پیانو کے سامنے ایک عبادت گزار کی طرح سر جھکا کر اور بہت دیر تک آنکھیں بند کئے کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد کسی ایک کی پر انگلی رکھتی تو اس لمحے کے بعد

جب تک اس کی لامبی انگلیاں پیانو کیز پر سے ٹھہر ٹھہرا کر پرواز نہ کر جاتیں وہ کسی قسم کی
کوئی آواز کوئی مداخلت برداشت نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ وہ منہ باندھے چپ لیٹا رہتا اور
سگریٹ پینے سے بھی اجتناب کرتا کیونکہ ماچس جلاتے ہوئے رگڑ کی آواز آتی تھی۔

بہار کی چھٹیوں میں وہ دو ہفتے کے ایک کورس پر کوپن ہیگن کی ایک بین الاقوامی
ڈیزائننگ فرم کی دعوت پر ڈنمارک آیا تھا۔ یہیں پر اس کی ملاقات کرسٹین سے ہوئی۔
وہ اس سے بھی قد میں سے نکلتی ہوئی لم ڈھینگ قسم کی لڑکی تھی اور اس پر گوشت قدرے
کم تناسب میں تھا اور جب انسان اسے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں تک پہنچتا تھا تو ان کی
نیلاہٹ اور پھر بالوں کے سنہری پن کو پسند کرتا تھا لیکن وہ وہاں ذرا دیر سے پہنچتا تھا۔

اس کا گھرانہ مذہبی حوالے سے بہت پابند اور بنیاد پرست تھا۔

میرے ماں باپ کی موجودگی میں تم نے میرے کندھے پر بھی ہاتھ نہیں رکھنا۔ بازو
بالکل نہیں تھامنا — اور میری جانب بہت کم دیکھنا ہے اور دیکھنا ہے تو ذُو معنی انداز میں
پیار کی کسی رمق کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھنا... میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم میری ایک سہیلی
کے منگیتر ہو اور اسے ملنے کے لئے لنڈن سے ڈنمارک آئے ہو لیکن غیر متوقع طور پر اس
سہیلی کی ایک آنٹی فن لینڈ میں سکی انگ کرتے ہوئے فوت ہو گئی ہے اور اسے وہاں جانا پڑ
گیا ہے اور فن لینڈ کے لئے فیری سروس پر بہت رش ہے اس لئے تم...."

"میں اتنا کچھ کیسے یاد رکھوں گا —"

"میں خیال رکھوں گی — اور سہیلی کا نام ... اس کا نام.. اس کا نام کیا ہے"

"مجھے کیا پتہ —" اس نے بیزاری سے کہا۔

"وہ اِنگرڈ ہے'.. ہاں وہ اِنگرڈ ہے — میں خیال رکھوں گی —" وہ نروس ہو رہی
تھی اور اس کی انگلیاں لامبی تھیں اسی لئے لرزش بھی زیادہ تھی۔

کرسٹین کی ماں صرف اپنے مذہبی عقیدے پر جامد رہنے کے تکبر اور تقدس میں
جیسے سکڑ چکی تھی.... اس کے چہرے پر ایسا ملال تھا کہ اس پر ترس آتا تھا۔ شاید یہ رنج تھا
زندگی کے آخری کنارے پر پہنچ کر ان لوگوں کی طرف دیکھنے کا جو زندگی سے الفت کرتے
ہوئے اس کی گہما گہمی اور مسرت سے لطف اندوز ہوتے تھے.... اور باپ صرف بیوی کی
اگلے جہان کی بشارتوں کی نگاہ اور حکم کا منتظر رہتا — اس نے مشاہد کی جانب صرف دو بار
دیکھا — ایک مرتبہ جب وہ جھجکتا ہوا ان کے بے آرام حد تک ستھرے اور نپے تلے گھر

داخل ہوا اور دوسری بار جب اسے خدا حافظ کہا گیا — کرسٹین کا پردادا جس کا نام کچھ
بہن تھا اپنے زمانے میں ایک مانا ہوا کلاسیکل موسیقار تھا... اور ڈنمارک میں جن لوگوں کی
ریٹی سے تھوڑا بہت لگاؤ تھا وہ اس اوہلسن سے متعارف تھے.... شام کا بیشتر حصہ اوہلسن
کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے اورجنل میوزک سکور اور ڈائریاں دیکھنے میں صرف ہوا.... پھر
کرسٹین پیانو پر بیٹھ گئی اور اپنے پردادا کی تمام کمپوزیشنز بجائیں اس معزز مہمان کے لئے جو
اپنے آپ پر جبر کر کے ایک نیم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی لامبی انگلیوں کو پیانو پر چلتے
دیکھے جارہا تھا — مغربی موسیقی کی کلاسیکی روایت سے وہ مکمل طور پر آگاہ تو نہیں تھا لیکن
کسی بھی فل ہارمونیک آرکسٹرا کی درجنوں وائیلنز میں سے اگر ایک بھی قدرے بے سُری
ہوتی تو اسے الجھن ضرور ہوتی۔ وہ کن رس رکھتا تھا اور واگنر کا بلند آہنگ کانوں میں
پڑتے ہی اس کا جرمنک گرینجر پہچان جاتا تھا۔ چائے کوسکی کی سمفونیز میں وائیلنز کی کسک
اسے روس کی ٹریجک ٹریڈیشن سے آشنا کرتی تھی اور بیتھوون کی بہتی ہوئی چاندنی کے
سوناٹاز اس پر ہمیشہ اثر کرتے — سٹراس کے تقریباً تمام والز اور خاص طور پر بدنامِ زمانہ
"بلیو ڈینیوب" وکٹر سلوسٹر سکول آف ڈانسنگ کے بھدی آواز والے سپیکروں پر اس نے
اتنی بار سنے تھے اور اتنی بار اُن پر وَن ٹو تھری — سٹپس ان پر لئے تھے کہ وہ اس کی بدنی
تحریک کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بہت دیر تک پوری توجہ اور دل
جمعی کے ساتھ کان لگائے کھانسے بغیر بُت بنے اور سگریٹ سلگائے بغیر یورپی کلاسیکل
موسیقی تادیر سننے کی ہمت نہیں رکھتا تھا — کیونکہ یہ اس کی بدنی روایت میں گردش نہیں
کرتی تھی صرف باہر کا علم تھا — کرسٹین ایک باکمال پیانو پلیئر لگتی تھی لیکن ایک مناسب
شام میں پیانو کی موسیقی جتنی دیر تک سنی جا سکتی ہے وہ اس سے کچھ زیادہ دیر سناتی تھی...

اس انگمار برگمین کی فلموں والی ٹھہری ہوئی سفید ویرانی والے مختصر ڈینش قصبے کا
نام راس کلے تھا اور اس کے ساحلوں تک جو پانی آتے تھے ان کے مخالف کناروں پر جرمنی
کی بجھی بجھی روشنیاں دکھائی دیتی تھیں اور یہاں ساحل کے قریب اگر کوئی راہ گیر بہت
نوزی پارکر ہوتا اور جھک کر اپنے قدموں کی سطح تک جھک کر جھانکتا تو اسے فٹ پاتھ کی
سطح پر کسی تہہ خانے کا روشندان دکھائی دیتا اور سفید کاغذی پرندہ اسی روشندان سے پرے
ابھرتا تھا اور اس کے عین نیچے ایک گرینڈ پیانو تھا جس پر کرسٹین کے بلانڈ ہیئر اور نیلی
آنکھیں ایک عبادت گزار کی طرح جھکی اپنی لامبی انگلیوں کی [illegible] کے لئے مناسب کیز کا

انتخاب کر رہی تھیں...

یہ راس کلے میں ان کی پہلی شام تھی۔

تہہ خانے میں جو سیڑھیاں اترتی تھیں ان پر ایک قدرے پلی ہوئی لڑکی تحیر میں لئے گردن ٹیڑھی کر کے بیزاری کا تاثر دے رہی تھی کیونکہ اسے وہیں ان سیڑھیوں پر، جس زاویے پر سیڑھیاں نیچے آتی تھیں اسی زاویے پر سونا تھا — یہی ارینج منٹ جب کبھی اُس کا بوائے فرینڈ ٹاؤن میں ہوتا تو کرسٹین بھی اسی پچھتر کے زاویے پر اسی میں سیڑھیوں پر اپنی نیند پوری کرتی۔ چنانچہ یہ میوچل ارینج منٹ تھا۔

مشاہد نے جب پہلی صبح بیدار ہو کر اس فربہ لڑکی کو سیڑھیوں پر ایک عجیب زاویے میں محو خواب دیکھا تو اسے بہر طور مسکرانا تھا.... یوں لگتا تھا جیسے وہ فربہ لڑکی جس کا نام کسی ہارر مُووی کی ہیروئن کی مانند اپنی تاریک اور دھند آلود قبر میں سے مردہ اور اکڑی حالت میں سیدھی ہو رہی تھی کہ رک گئی۔ یا اسے مصلوب کر دیا گیا تھا اور صلیب اتارنے کے لئے صلیب کو ذرا نیچے کر کے اسے وہیں چھوڑ دیا گیا۔ بہر حال یہی ارینج منٹ تھا —

لیکن اس لمحے کوئی بھی راہ گیر اگرچہ نوزی پارکر ہو یہ نہیں جانتا تھا کہ فٹ پاتھ کی سطح پر جو روشندان اس کے قدموں میں ہے اس کے عقب میں ایک کاغذی پرندہ ہے نیچے ایک گرینڈ پیانو ہے — پیانو پر یہاں وہاں چھُوتی لامبی انگلیاں بھی ہیں اور فوم کے موٹے گدے پر ایک ایشیائی لڑکا اپنی جمائیاں روکتا ہے اور اس کے قریب سیڑھیوں پر ا فربہ لڑکی جو کہ اُلا ہے تکیہ گود میں بھینچے سونے کی منتظر ہے —

"تم بے شک سو جاؤ اُلا —" کرسٹین کے لبوں سے — اور وہ اس کے لب نا معلوم وجہ سے ہمہ وقت گیلے رہتے تھے اور اکثر منہ میں جمع شدہ لعاب نکلتی رہتی ایک حکم سا جاری ہوا.. گو نو ہیل قسم کا.. اور اُلا گویا اس حکم کی منتظر تھی اس نے سیڑھی پر جمایا اور ایک سونے جاگنے والی میکانکی گڑیا کی مانند ایک پل میں سو گئی دوسرے پل میں اس کا مُنہ کھل گیا اور وہ ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگی۔

"اُلا کو موسیقی کا کوئی شعور نہیں —" کرسٹین نے مسکرا کر اور لبوں سے گیلاہٹ پونچھ کر آخری کیز کو ہلکے سے چھُوا اور ان میں سے تہہ خانے کی خاموشی میں گونجتی روانی سے مطمئن ہو کر خوشی سے سر ہلایا اور پھر ایک نظر کاغذی پرندے پر ڈال کر

اکی کمپوز کی ہوئی کوئی دھن بجانے لگی۔ مشاہد یہاں نہیں آنا چاہتا تھا۔ صرف اس کی
اسے یہاں لے آئی تھی۔
وہ اس کے ماں باپ کے ساتھ اس دہشت ناک یادگار شام کے بعد اگلی صبح
لنڈن لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن کرسٹین گیلے لبوں کے ساتھ اپنی لامبی انگلیوں میں اس کا چہرہ
ے بولتی چلی گئی.... دیکھو ہم یہاں بہت پابند رہے ہیں... راس کلے میں میرا اپنا کمرہ
... ہم وہاں نہانے کے لئے بھی جا سکتے ہیں کیونکہ میرا کمرہ ساحل کے برابر میں ہے اور
اپنے ٹیچرز ٹریننگ کالج سے بیماری کی رخصت لے لوں گی۔ میں اپنے والدین کو یہی
دوں گی کہ میری چھٹیاں ختم ہو گئی ہیں اور میں واپس راس کلے میں اپنے کالج کو جا رہی
ں — اور کسی کو بتانا نہیں.... ہم کوپن ہیگن تک الگ الگ سفر کریں گے اور پھر وہاں
اکٹھے ٹرین لے لیں گے — اور پلیز ایک دو دن کے لئے۔

اور مشاہد اپنی جھجک اور جس ذرا کل پنے کا وہ سمیعہ کے ساتھ مظاہرہ کرتا رہا تھا
اس کی وجہ سے سب کچھ قبول کرتا رہا... ورنہ کرسٹین بقول کوکی کے وَن نائٹ سٹینڈ کے
لئے تو بہت مناسب تھی لیکن ایک طویل رفاقت کے لئے وہ اس میں بہت زیادہ کشش
ں پاتا تھا... اور وہ خاص طور پر اس میں یہ کشش اس لئے بھی نہیں پاتا تھا کہ اس کے
ذہن میں ایک نہایت کریہہ النظر اور بدشکل بلکہ بن مانس کی شکل کے کسی افریقی شخص
کی تصویر تھی جو اس کی اولین مُحبّت تھا اور جسے وہ "ڈیشنگ" کہتی تھی اور جو بقول اس
کے بستر میں بہت گرم، جذباتی اور ڈیلی کیٹ ہوتا تھا — مشاہد کی لبرل ازم اپنے جینز اور
وغیرہ سے آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ کالا رنگ اور آبنوسی کالا شاہ رنگ بہر طور کالا
تھا اور چاہے گورے اور کالے کی تمیز چودہ سو برس پیشتر ختم کر دی گئی تھی لیکن —
دا رنگ ناں کے نوں رب دیوے تے سارا پنڈ ویرے پے گیا... اپارٹ ہیڈ اس کے اندر
تھی۔ ذات پات کی جڑیں بے حد گہری اور مضبوط تھیں... وہ ہزاروں برس کے ہندو
بنیاد پرست ہو کر بھی چپ نہیں کرا سکتا تھا — وہ بولتا تھا.. وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ
راس کا گلا گھونٹتا تھا تب بھی وہ بولتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ یہ لڑکی ایک حبشی اور وہ بھی بد
ل حبشی کے ساتھ مبتلا رہی ہے اور تم ایک آریائی ہو کر ایک کالے کے چھوڑے ہوئے
مال کی طرف مائل ہو....

پیانو کے گہرے بلند اور گمُ ہوتے سُروں کے ساتھ سمندر کی چھپاک چھپاک کی

آواز مسلسل سنائی دیتی جو بند روشن دان میں سے بھی سرائت کرتی اندر آتی تھی۔
کرسٹین کو اوری گیمی کے پرندے بنانے کا جنون تھا۔

ان میں سے ایک وہ تھا جو دھاگے سے لٹکا سمندر کی آواز سنتا تھا اور روشن
کے آگے جھولتا تھا۔ سیڑھیوں پر اُلا صلیب سے اتاری جا رہی تھی یا قبر سے بلند ہو
ہوئے رک گئی تھی۔ مشاہد کو نیند آ رہی تھی۔

اس نے بستر کی بجائے فرش پر فوم کا گدا اس لیے بچھا رکھا تھا کہ اس کی ٹانگ
بہت لامبی تھیں... وہ مکمل تاریکی پسند نہیں کرتی تھی۔ ایک موم بتی ہمیشہ روشن رہتی
سفید پرندے کا سیاہ سایہ تہہ خانے کی چھت پر جھولتا رہتا۔

وہ بہت سرد اور شائد فریز بھی تھی — اس پرندے تلے جو پہلی شب تھی
میں وہ ایک مشقت کرتے۔ پسینے سے نچڑتے اور ہانپتے ہوئے دیہاڑی دار مزدور کی
محسوس کر رہا تھا جو مسلسل رزقِ حلال کی جستجو میں اپنے آپ کو ہلکان کر رہا ہے اور
کے باوجود ایک برف کی سل ہے جو اتنی کم پگھلتی ہے کہ ایک مدت کے بعد ایک
آواز آتی ہے — ایک قطرہ گرا... اور پھر... پسینے کے قطرے زیادہ تھے اور برف کی
کے قطرے کم — لمبی ٹانگوں کے ساتھ وہ ایک کیکڑے کی طرح گرفت رکھتی تھی۔

اور جب سِل پگھلنے لگی اور بہت دیر کے بعد پگھلنے لگی تو اس نے کہا ٹھہرو —
ہانپتا ہوا، پسینے سے بھیگتا ہوا ٹھہر گیا — مجھے ایک پرندہ چاہیے۔

"میرے پاس تو کوئی — پرندہ نہیں ہے —" وہ بمشکل بولا۔

"میرے پاس ہے —" اس نے اپنی ٹانگیں سمیٹیں اور بازو پھیلائے اور اس
ہاتھ بھی لامبے تھے اور اس کے ہاتھوں میں ایک پرندہ تھا — روشندان کے سامنے جھو
والے پرندے کا ہم شکل ایک اور پرندہ.... یہ منطق الطائر کی منطق یہاں کہاں سے
— کیا لونگ سٹون سی گل کا دوبارہ جنم ہو گیا ہے.... وہاں تو پرندوں کی مجلس حکیم عطار
ہاں تھی اور یہاں ڈنمارک کے آخری سرے پر، سمندر کنارے ایک اندھے روشندان
آگے ایک سفید کاغذی پرندہ۔

اور اس کے ہاتھوں میں ایک پرندہ تھا — ہم شکل....

اور اس نے اسے اپنے سینے کے درمیان رکھا... جیسے وہاں اس کا گھونسلہ ہو
وہ پرندہ اگرچہ نرم کاغذ کی کترن سے تخلیق ہوا تھا اس کے باوجود وہ اسے

بت تھا — لیکن یہ کرسٹین کا سودا تھا — اسے اپنی چھاتیوں کے درمیان ایک کاغذی پرندے کا بسیرا چاہیے تھا..
وہ پہلے بہت چبھتا تھا....
پھر پسینے سے دباؤ سے وہ نرم اور گیلا ہونے لگتا تھا...
اور جو پرندہ ایک بار دب جاتا تھا اور گیلا ہو کر اپنی شکل کھو دیتا تھا اس کی جگہ اور پرندہ آجاتا تھا اور اسی لئے وہاں — رڈی کی ٹوکری میں — جو نیلے کاغذ سے بنی تھی- بہت سارے پرندے تھے — جو تڑے مڑے اور گیلے تھے-

دن کے وقت وہ بے سدھ سویا رہتا.... کرسٹین کو بہت کوشش اور بہت بہانے کرنے پر بھی چھٹی نہیں مل سکی تھی اس لئے وہ کالج چلی جاتی اور وہاں بچوں کی نفسیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی سعی کرتی-

اور رات کے وقت ... پیانو اور گیلے پرندے-

پتہ نہیں وہ سوتی کب تھی —

ایک بار کرسٹین نے ایسا بھی کیا کہ اس کے ہاتھوں میں ایک پرندہ تھا اور اس کی آنکھیں روشندان کے سامنے ہلارے لیتے بکھیرو پر تھیں اور جب مشاہد کی مشقت رنگ لائی اور لطف کی سیڑھیاں رک رک کر چڑھتی کرسٹین کے گلے میں سے حیوانی آوازیں نکلنے لگیں تو اس نے اس پرندے کی کاغذی پرندے کی گردن مروڑ دی-

آنے والے دنوں میں کئی دن ایسے تھے جب مشاہد نے اپنے سینے پر کسی پرندے کی چونچ کی نوک چبھتی محسوس کی.. وہ اس احساس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا.. اور برگیتا نے بہت مرتبہ پوچھا... یہاں میرے بدن پر تو ایسا کچھ نہیں جو تمہیں تکلیف دے سکے تو تم کراہ کر اپنے سینے پر ہاتھ کیوں پھیرتے ہو — لیکن اگلی سویر شیو کرتے ہوئے آئینے میں اس کی چھاتی پر متعدد نیلے نشان ہوتے... کاغذی چونچوں کے —

تو رات کے وقت — پیانو اور گیلے پرندے-

وہ اس پرندے اور پیانو کا قیدی تھا کیونکہ اس تہہ خانے سے باہر جانا اس کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا تھا — تمہاری شکل مختلف ہے — تم جانے جاؤ گے — کہ تم ادھر میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہو.... یہاں ڈنمارک میں چھوٹے قصبوں کا ماحول ابھی تک میڈی ایول اور کنزرویٹو ہے اور باہر جانے کی ضرورت بھی کیا ہے.... چنانچہ وہ یا تو سویا رہتا

اور یا پھر روشندان کے پرندے کے ساتھ باتیں کرتا رہتا —

پرندہ جواب دیتا تھا —

تم وہی ہو جو سچ کی تلاش میں نکلے تھے...

ہاں — میں اُن میں سے ایک ہوں جو سی مرغ کی تلاش میں دربدر ہوئے ت
اور ہم یقین، تلاش، پیار، آزادی، وصال، حیرانی و غربت اور موت اور عدم وجود کی
وادیوں میں سے گزرے اور اس سفر کے دوران کئی پرندے (اور ہم سب کاغذ کے
سمندروں میں ڈوب گئے (اور روشندان میں سے سمندر کی آواز آتی تھی جس میں کا
کشتیاں ڈوب جاتی تھیں)۔ کچھ ایسے تھے جن کی زبانیں سوکھ گئیں اور وہ برف کی وا
میں پیاسے مر گئے... کئیوں کے جگر سورج کی تپش سے راکھ ہوئے اور ان کے پَر
گئے۔ کچھ جنگلوں اور صحراؤں میں گم ہوئے۔ کئی اپنے حواس کھو بیٹھے اور پاگل پن
ایک دوسرے کو کھا گئے اور کچھ نے ایسی انہونی شکلیں دیکھ لیں کہ وہ حیرت سے
گئے....

نہیں... مجھے یقین نہیں آتا۔

اس لئے کہ تم یقین کی وادی میں سے نہیں گزرے... اور پھر "قاف" کی پہا
— ہم صرف تیس بچے تھے... اور ہمارے سامنے ایک پردہ تھا — پردہ اٹھا تو وہاں ہم
تھے — ہماری شکل کے... ہم جیسے.. ہم... تیس پرندے... ہم خود ہی سچ تھے...

اور ردی کی ٹوکری میں کتنے پرندے ہیں؟

کیا یہ بھی اُن تیس میں سے ہیں جو قاف کی پہاڑیوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ
وادیوں میں گیلے ہوئے بے شکل ہوئے..

نوٹنگھم ٹیکنیکل کالج کے ہوزری روم میں اُون کے جو ذرّے فضا میں بلند
کھڑکیوں میں سے آنے والی دھوپ کی زد میں آرہے تھے وہ قاف سے واپس آنے وا
پرندوں کی طرح بے یقین اور بے سمت تھے اور آہستہ آہستہ روشنی میں حرکت کر
تھے۔

وہ رات بھر کی مشقت کے بعد گہری نیند میں جا چکا تھا جب اسے کسی نے زور

غوڑا اور جو آوازیں تھیں وہ اس کی نیم غنودہ فہم سے پرے کی تھیں۔
کرشین نے اسے جھنجھوڑا تھا — رات کے کسی پہر میں —
"کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔
"میں تمہاری محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں — " اس نے جیسے کسی موذی بیماری
بوجود کا اعلان کیا۔
"اچھا — " وہ سونا چاہتا تھا۔
"ہاں — "
"ٹھیک ہے صبح بات کریں گے — " وہ کروٹ بدل کر سونے لگا...
"نہیں۔ تم سمجھ نہیں رہے" اس نے اسے پھر جھنجھوڑا" میں واقعی سچ مچ تمہارے
ں میں مبتلا ہو چکی ہوں اور میں... بے بس ہو چکی ہوں"
"ٹھیک ہے.. لیکن ہم صبح بات کریں گے — " موم بتی ابھی تک جل رہی تھی
پرندے کا سایہ..
"نہیں۔ یہ سنجیدہ مسئلہ ہے تم سمجھ نہیں رہے — جب تم مجھے کوپن ہیگن میں
لے تھے تو تم کچھ بھی نہیں تھے۔ کوئی بھی نہیں تھے لیکن... میں نے ابھی ابھی احساس کیا
ہے کہ... تم ہو... یہ میرے بس میں نہیں تھا لیکن میں بہت شدید طریقے سے تمہارے بس
ما ہو چکی ہوں.. اور تمہیں اس کا جواب دینا ہو گا — "
"کس قسم کا جواب — "
"تمہیں پتہ نہیں ہے .. تم سمجھ ہی نہیں رہے — " وہ اتنی لمبی تڑنگی لڑکی فوم
کے گدے پر بیٹھی روتی رہی... اس کی ہچکیوں سے وہ خود بھی ہلتا تھا کیونکہ وہ اُسی گدے پر
ہی پر — وہ تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں بے شمار پانی تھا اور وہ کچھ بھی پہنے ہوئے
نہ تھی جب ایسے ہچکیاں لے کر روتی تھی...
"تمہیں جواب دینا ہو گا — "
اسے اٹھ کر بیٹھنا پڑا....
"کہ تم مجھ سے شادی کرو گے یا نہیں — "
"نہیں — " مشاہد نے فوراً کہا جیسے وہ جواب کی تاخیر سے خوفزدہ تھا اگرچہ اس کا
بدن اس کے بدن کے مَس سے دُکھا ہوا تھا... "میں.. تمہیں پسند کرتا ہوں.... لیکن تم سے